ساجد صدیق نظامی*

اردو نثر کے فروغ میں مسیحی مبلّغین کا کردار (انیسویں صدی کے نصف اوّل میں)

Abstract:

The Role of Christian Preachers in the Spread of Urdu Prose (in the First Half of Nineteenth Century)

It is a little-known fact that Christian preachers played a significant role in the growth of Urdu prose at the beginning of nineteenth century. At that time, the British rulers had (forcefully) established political stability in major areas of subcontinent. This provided an opportunity to Christian preachers to preach their religion with complete freedom. First, they got command over Urdu language. Many missionaries translated different versions of Bible into Urdu. Moreover, they indulged themselves into polemics with clerics of different religions, especially with Muslims. These activities spurred advancement of various new expressions and styles in Urdu prose, like presenting arguments in logical way and choosing proper morphemic and syntactic framework to convince addressees. This article reviews such efforts, which enhanced expressive ability of Urdu prose.

Keywords: Urdu prose, Bible, Christian religious literature, C. G. Pfander.

اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں جہاں دیگر بہت سے عوامل نے اردو نثر کے فروغ اور ترقی میں حصہ لیا وہیں دینی نثری ادب کے پھیلاؤ نے بھی اردو نثر کو ہر خاص و عام تک پہنچانے میں اپنا کردار ادا کیا۔ اٹھارہویں صدی میں محض چند ایک مصنفین دینیاتِ اسلام سے متعلق متفرق موضوعات اردو نثر میں بیان کرتے نظر آتے ہیں مگر انیسویں صدی میں دینی نثری ادب میں قابلِ قدر پھیلاؤ پیدا ہوا۔ یہ پھیلاؤ افقی اور عمودی ہر دو سطح پر قابلِ توجہ ہے۔ اس کے مزید دو زمرے بنائے جا سکتے

ہیں: اول، اردو نثر میں بیان ہونے والے دینِ اسلام کے مباحث؛ دوم، برصغیر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں کی آمد سے وجود میں آنے والا مسیحی دینی ادب۔ پہلے انیسویں صدی میں ضبطِ تحریر میں لائے جانے والے مسیحی دینی ادب کے آغاز اور پھیلاؤ کا پس منظر بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

اٹھارہویں صدی کے آغاز میں جب ایسٹ انڈیا کمپنی سمیت دیگر یورپی تجارتی تنظیمیں ہندوستان میں پیر جما رہی تھیں تو عیسائی مشنریوں (missionaries) نے اس نئے خطے کی طرف توجہ مبذول کرنا شروع کر دی۔ اس دور میں یورپ کی کئی اقوام (انگریز، فرانسیسی، پرتگالی، ولندیزی وغیرہ) برصغیر میں تجارت کے پردے میں قسمت آزمائی کر رہی تھیں، لہٰذا یورپ کے متعدد مشنری اداروں کے وفود بھی ہندوستان آنا شروع ہو گئے۔ انھی میں بنجمن شلزے بھی تھے جنھوں نے ۱۷۴۱ء میں انجیل مقدس کی دو ایک دعاؤں کو رومن رسم الخط میں اردو میں منتقل کیا لیکن تب یہ سلسلہ کوئی مضبوط جڑ نہیں پکڑ سکا۔ ایک تو اٹھارہویں صدی کی آخری چوتھائی تک ہندوستان کی سیاسی و سماجی حالت شدید انتشار کا سامنا کر رہی تھی، دوم کوئی ایسی مرکزی حکومت نہیں تھی جو پورے ہندوستان پہ اپنا سکہ چلا سکتی۔ انیسویں صدی کے شروع ہوتے ہوتے انگریزوں کی سیاسی اور فوجی قوت اس قابل ہو گئی کہ وہ ہندوستان کو ایک اکائی میں پرو سکیں۔ اسی باعث انیسویں صدی کے آغاز میں ہندوستان مجموعی طور پہ قدرے پرسکون حالت میں آ گیا۔ یہ صورت حال عیسائی مبلغین کے لیے بھی سازگار ثابت ہوئی۔ سیاسی اقتدار ان کے ہم مذہبوں کے پاس تھا نیز ایسٹ انڈیا کمپنی کے فیصلہ سازوں میں ایسے لوگ بھی شامل تھے جو ہندوستان میں انگریزی حکومت کے قیام کو عیسائیت کے فروغ کا ایک سبب مانتے تھے۔ لہٰذا عیسائیت کی تبلیغ کا یہ سلسلہ انیسویں صدی کے دوسرے عشرے سے ترقی اختیار کرنا شروع ہو گیا جب جنوبی و شمالی ہند پہ مکمل طور پہ انگریزوں کی براہ راست یا بالواسطہ حکومت قائم ہو چکی تھی۔

سیاسی غلبے کے اس دور میں اکثر یورپ کے اور چند ایک امریکہ کے، مسیحی مبلّغین کے مشن اور پریس ہندوستان کے مختلف علاقوں میں قائم ہونا شروع ہو گئے۔ چند ایک کے نام یوں ہیں: پریسبیٹیرین مشن پریس (Presbyterian Mission Press) الٰہ آباد، آگزلری بائبل سوسائٹی (Auxiliary Bible Society) کلکتہ، امیریکن میتھوڈسٹ مشن (American Methodist Mission) بریلی، آگرہ ریلیجیئس ٹریکٹ سوسائٹی (Agra Religious Tract Society) آگرہ، امیریکن ٹریکٹ سوسائٹی (American Tract Society) الٰہ آباد، سکندرہ آرفن پریس (Secundra Orphan Press) سکندرہ، چرچ مشن پریس (Church Mission Press) مدراس۔ ان اداروں کا بنیادی فریضہ غیر مانوس افراد اور علاقوں میں عیسائیت کا فروغ تھا۔ اس مقصد کے لیے ان کا ہندوستانی زبانوں

سے آشنا ہونا ضروری تھا اور اس ضمن میں ہندوستان کی لنگوافرینکا(lingua franca)، اردو، ان کی توجہ کا مرکز بنی۔عیسائی مبلغین نے وسیع عوامی رابطے کے لیےنثر کو موزوں تصوّر کیا۔ اس امر کا اردو نثر کو بہت فائدہ ہوا۔

اس سلسلے کی پہلی کڑی انجیل مقدس کا اردو ترجمہ کرنا تھا۔ یوں تو انجیل مقدس کا ایک ترجمہ فورٹ ولیم کالج میں بھی ہو چکا تھا لیکن اس کی اشاعت وسیع پیمانے پر نہ ہونے کے سبب وہ عام ہندوستانیوں تک نہیں پہنچ سکا۔ بعد میں عیسائیت کی تبلیغ کے ان اداروں نے اپنے اپنے طور پہ انجیل مقدس کو جزوی یا کلّی اردو میں منتقل کیا۔صرف انگریزی ہی نہیں بلکہ لاطینی اور عبرانی زبان سے بھی انجیل مقدس اردو میں منتقل کی گئی۔ دوم، جب ان مبلغین کا دائرہ کار وسیع ہوا تو مقامی مذاہب کے پیرو کاروں، خاص کر مسلمانوں نے جذبۂ مذہبی کے تحت ان کا مقابلہ شروع کیا۔ اس مقابلے کی ایک سطح تحریری مناظرہ بازی تھی۔ درج بالا دونوں اوامر کا اردو نثر کو یہ فائدہ ہوا کہ اظہار کے بہت سے اسالیب اسے میسر آئے۔عیسائی مبلغین کے سامنے درج بالا دونوں دائرہ ہائے کار کے مخاطب عوام تھے، لہٰذا انھوں نے اردو نثر کی سادگی، سلاست اور روانی پہ خاص توجہ دی۔ اپنے مذہب کی تعلیمات عوام تک پہنچانے کے لیے حکمت کا تقاضا بھی یہی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ عیسائی مبلغین نے اس دور کے نثری ادب کے مجموعی مزاج سے ہٹ کے الگ راستہ اختیار کیا۔

زیرِ نظر مضمون میں ایسی ہی کچھ تصانیف کا تذکرہ کیا گیا ہے جو عیسائیت کی تبلیغ کی غرض سے تحریر و ترجمہ کی گئیں۔ پہلے ان تصانیف کا مختصر تعارف کروایا گیا ہے، پھر ان کے اسلوب کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ اس دور میں عیسائیت کی تبلیغ کے حوالے سے اگرچہ بہت کتب سی تحریر کی گئیں یا ترجمہ کی گئیں، لیکن یہاں پہ چند ایک کتب کو ہی اسلوب کے تجزیے کے لیے منتخب کیا گیا ہے۔ کیوں کہ بنیادی مقصد اردو نثر کی ترویج میں مسیحی دینی ادب اور اس کے اسالیب کا تجزیہ کرنا ہے۔اسی لیے زمانی اعتبار سے چند ایک کتب کا ذیل میں تجزیہ کیا جاتا ہے۔

۱۸۱۹ء میں کلکتہ کی آگزلری بائبل سوسائٹی کی طرف سے متی کی انجیل شائع کی گئی لیکن اس کے سرورق پہ کسی مترجم کی تصریح نہیں کی گئی۔ اس انجیل کی نثر اکثر جگہوں پہ خاصی صاف ہے۔ جملوں کی ساخت بھی اردو کے مطابق ہے مگر کچھ جگہ پہ اس امر میں تغیر بھی آ گیا ہے۔ موقعے کی مناسبت سے چھوٹے یا بڑے فقروں کا سہارا لے کر مباحث آگے بڑھائے گئے ہیں اگرچہ کہیں کہیں غرابتِ الفاظ کا احساس ہوتا ہے۔ جیسا کہ یہ مثال:

> اور جب تم نماز کرو تو زیادہ بک بک نہ کرو کہ اس طرح عوام کرتے ہیں کیوں کہ وے گمان کرتے ہیں کہ ان کی زیادہ گوئی سے ان کی دعا سنی جائے گی[۱]۔

اس غرابت سے قطع نظر عام طور پہ اس نثر کا یہ انداز رہتا ہے:

> ستر ہواں باب: اور چھ دن کے بعد عیسیٰ نے پطرس اور یعقوب اور اس کے بھائی یوحنا کو ساتھ لیا اور انھیں خلوت میں ایک اونچے پہاڑ پر لے آیا۔ اور اس کی صورت ان کے سامنے مبدّل ہوئی اور اس کا چہرہ آفتاب کی مانند چمکا اور اس کے کپڑے نور کی مانند سفید ہوئے اور دیکھو کہ موسیٰ اور ایلیاس اس سے باتیں کرتے ہوئے ظاہر ہوئے۔ تب پطرس نے عیسیٰ کو متوجہ ہو کر کہا کہ اے خداوند یہاں رہنا ہمارے لیے بہتر ہے اور اگر تو چاہے تو ہم یہاں تین مسکن، ایک میرے لیے اور ایک موسیٰ کے لیے اور ایک ایلیاس کے لیے بنا دیں[۲]۔

مقام حیرت ہے کہ اس دور کی اکثر اردو تصانیف (بہ استثنا باغ و بہار)* کو یہ سلاست اور سادگی نصیب نہ ہو پائی تھی جو اس نثر میں نظر آتی ہے۔ ایک اور اقتباس دیکھیے:

> اور عیسیٰ جب اصطباغ پا چکا، فی الفور پانی سے نکل کر اوپر آیا۔ ناگاہ اس پر آسمان کے دروازے کھل گئے اور اس نے خدا کی روح کو کبوتر کی مانند اترتے اور اپنے اوپر آتے دیکھا۔ اور یکایک آسمان سے ایک آواز آئی کہ یہ میرا پیارا بیٹا ہے کہ جس سے میں راضی ہوں[۳]۔

۱۸۲۸ء میں چرچ مشن پریس، کلکتہ سے صلوٰۃ الجماعت کی کتاب اور سیکریمنٹوں کے دستور اور دوسری رسمیں اور تکلفات کلیسیائی، عمل کلیسیائے انگلینڈ اور ایرلینڈ کے مطابق، عقائدِ دین کے ساتھ شائع ہوئی۔ اس پر بھی کسی مترجم کا نام نہیں لکھا گیا مگر سرورق کے مطابق اس ترجمے کی طباعت کا اہتمام مولوی عبد المجید نے کیا تھا[۴]۔ اس ضخیم کتاب میں مختلف دعائیں، مناجات درج ہیں جو کلیسا میں عبادات کے وقت مقررہ ایام میں پڑھی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ عبادت کی مختلف رسوم کا ذکر ہے۔ مختلف اوقات اور ایام کی مناسبت سے دعاؤں کا مانگنا وغیرہ بتایا گیا ہے۔ عقائدِ دین اور رسومیاتِ دین کا مفصل تذکرہ ہے۔

اس کتاب میں بھی سادگی اور سلاست کو ہی مدنظر رکھ کے اردو میں منتقل کیا گیا ہے۔ فقروں کی ساخت خاص کر اردو کے مزاج کے عین مطابق ہے۔ انگریزی سے ترجمے کے باوجود انگریزی لفظیات نہ ہونے کے برابر ہیں بلکہ کہیں کہیں موقع پڑنے پہ عربی سے قدرے مشکل لغات مستعار لیے ہیں۔ یہ اقتباس دیکھیے:

---

*اردو نثر سے متعلق یہ رائے نوآبادیاتی تشکیل ہے۔ عتیق صدیقی نے گل کرسٹ اور اس کا عہد میں گل کرسٹ کی یہ رائے درج کی ہے کہ ''ابھی ہندوستانی نثر کی ایک بھی ایسی کتاب نہیں ہے جو قدر و قیمت یا صحت کے اعتبار سے اس قابل ہو کہ میں اپنے شاگردوں کو پڑھنے کے لیے دے سکوں''۔ گل کرسٹ کا مقصود یہ باور کرانا تھا کہ ''قابلِ مطالعہ اردو نثر'' کا آغاز کرنے والے ہندوستانی نہیں، یورپی ہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے تاریخ ادب اردو، جلد دوم میں گل کرسٹ کی اس رائے کو مسترد کیا ہے اور قصّہ مہر افروز و دلبر، تفسیر مرادیہ، موضح القران، نوآئین ہندی، محمد باقر آگاہ کا نثری دیباچہ، رستم علی کی قصہ واحوال روہیلہ اور شاہ عالم ثانی کے عجائب القصص کا حوالہ دیا ہے اور رائے دی ہے کہ یہ سب ''عام فہم و سادہ اسلوب میں لکھی گئی ہیں''۔ نیز عجائب القصص کی نثر کو فورٹ ولیم کالج کے بیشتر مصنفوں سے بہتر قرار دیا ہے۔
دیکھیے: جمیل جالبی، تاریخ ادب اردو، جلد دوم (لاہور: مجلس ترقی ادب، اشاعت ہفتم ۲۰۱۳ء)، ۷۵۸-۷۸۹۔ (مدیر)

> (نمازِ صبح کے احکام) دعا اہل خطیب اور جماعت کے لیے
> اے قادر مطلق و قیوم خدا کہ تو ہی فقط بڑے معجزے دکھلانے والا ہے۔ سارے اسقفوں اور خادمانِ دین پر اور سب جماعتوں پر کہ جو اِن کے سپرد ہیں، اپنی عافیت بخش، روح کا فضل نازل کر اور تا کہ وے حقیقت میں تجھے راضی رکھیں۔ ان پر اپنی رحمت کی شبنم ان پر نت گرنے دے۔ یہ التماس ہمارا ہمارے شفیع و ساعی عیسیٰ مسیح کی حرمت کے لیے بخش۔ آمین[۵]۔

ایک اقتباس اور دیکھیے جس سے نثر کی روانی اور سلاست کا اندازہ کیا جا سکے گا:

> اوائی کی دوسری اتوار کی دعا: اے نیک خداوند کہ تو نے ساری کتاب مقدس کو ہماری تعلیم کے لیے لکھوایا، بخش کہ ہم اس ڈھب پر انھیں سنیں اور پڑھیں اور دھیان کریں اور سیکھیں اور دل میں رکھیں کہ تیرے مقدس کلام کی صبر و تسلی سے زندگانیِ جاودانی کی امید مبارک کو، جو کہ تو نے ہمیں ہمارے منجّی عیسیٰ مسیح میں دیا ہے، گود بھریں اور نت استوار پکڑیں رہیں[۶]۔

ایک اقتباس اور دیکھیے:

> مکتوب قرنتیوں کا: ہم صبح کے طفیل سے خدا پر ایسے متوکل ہیں نہ کہ آپ سے اس قابل ہیں کہ اپنے پاس سے ایجاد کر کے کوئی مضمون باندھیں بلکہ ہماری قابلیت خدا سے ہے اور اس نے ہم کو یہ طاقت دی کہ ہم نئے وثیقہ کے، نہ کہ لفظ کے بلکہ روح کے خادم ہوویں۔ لفظ ہلاک کرتا ہے، روح جلاتی ہے[۷]۔

اس عہد میں مسیحی دینی ادب کی ترویج کے لیے کام کرنے والے مبلغین میں ایک اہم نام کارل گوٹلیب فانڈر (Karl Gotllieb Pfander۔ ۱۸۰۳ء۔ ۱۸۶۵ء) کا ہے۔ فانڈر کی تحریر کردہ مناظرانہ کتب میں سے میزان الحق خاصی اہم ہے۔ یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۸۳۹ء میں شائع ہوئی اور پھر متعدد مرتبہ شائع ہوتی رہی۔ میزان الحق بھی اس دور کے عام مسیحی دینی ادب کے موضوعات پہ مبنی ہے۔ اس میں قرآن مجید، پیغمبر اسلام، دینِ اسلام اور دیگر عقائد پہ گفتگو کی گئی ہے۔

میزان الحق کی نثر میں اگرچہ کافی جگہ آرائشِ بیان کا عنصر شامل ہو گیا ہے لیکن سادگی اور سلاست کو زیادہ تر ملحوظ رکھا گیا ہے۔ یوں بھی مبلغین کے نزدیک یہ امر نہایت اہم ہوتا ہے کہ عوام الناس کی پسند، قابلیت و صلاحیت کو سامنے رکھیں۔ یہ کتاب بھی ایسے ہی معیارات پہ پوری اترتی ہے البتہ کہیں کہیں، مصنف سے محاورہ نہیں برتا گیا۔ مثلاً:

> اور ظاہر ہے کہ انھوں نے توریت کی کوئی بات جو خدا شناسی اور دل کی پاکیزگی اور نیک چال چلن پر شامل ہے، باطل و منسوخ نہیں کی۔ چنانچہ جو کوئی تامل و فکر سے دونوں کا مطالعہ کرے گا، اس مطلب کو جلد دریافت کر لے گا اور اس امر کے ثابت کرنے کو دو تین بات یہاں ذکر کریں گے[۸]۔

بیشتر جگہوں پہ چھوٹے چھوٹے فقرے 'اور' سے جوڑ کے ایک طویل فقرہ بنایا گیا ہے۔ نیز امثال و محاورات بھی کہیں کہیں در آئے ہیں۔ جیسے یہ مثال:

جس وقت محمد نے وفات پائی تو عرب برگشتہ ہو گئے اور یہود ونصاریٰ نے سرکشی کی اور منافقوں نے اپنا نفاق ظاہر کیا اور مسلمان ایسے پریشان رہے جیسے جاڑوں کی رات میں گلّہ[۹]۔

میزان الحق کی نثر میں خطابیہ انداز بھی پایا جاتا ہے۔ اس نثر کا مجموعی رنگ درج ذیل اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے:

القصہ اے محمدی لوگو اور اس کتاب کے مطالعہ کرنے والو، تم یقین کرو کہ جو کچھ ہم نے قرآن اور دین محمدی کی بابت اب تک ذکر وثابت کیا، عداوت کی راہ سے نہیں بلکہ خالص محبت کی راہ سے ہے۔ جس محبت کے سبب سے مسیح کے لیے تم کو دوست سمجھ کے تمھاری ہلاکت کے حال پر دل سے افسوس آیا ہے۔ اسی واسطے قرآن کا خلاف ہونا تم پہ ظاہر کر دیا کہ شاید تم خواب غفلت سے بیدار ہو کر ضلالت سے راہِ حق پر آؤ اور مسیحی دین کو قبول کر لو اور اپنے خطرناک حال اور ابدی ہلاکت سے خلاصی پا کر نجاتِ سرمدی کو پہنچ جاؤ[۱۰]۔

۱۸۴۳ء میں آگزلری بائبل سوسائٹی کے لیے ایشیاٹک پریس، کلکتہ سے کتاب القدس شائع کی گئی۔ اس کے سرورق کے مطابق یہ انجیل عبرانی سے ہندی زبان میں ترجمہ کی گئی۔ اس ترجمے کی نثر میں اس عہد کی اناجیل کے دیگر تراجم کی نسبت قدرے زیادہ روانی اور سلاست پائی جاتی ہے۔ ضخیم نوعیت کی اس کتاب میں اسالیب کی رنگا رنگی ہے۔ جہاں واقعات بیان ہوئے ہیں وہاں داستانی رنگ کی جھلک نظر آتی ہے۔ جہاں نصائح کا بیان ہے وہاں اندازِ بیان میں ملائمت اور شفقت پائی جاتی ہے۔ اس نثر کا یہ اقتباس دیکھیے:

ان پر افسوس جو صیہون میں چین سے رہتے ہیں اور سمرون کے پہاڑ پر بھروسا رکھتے ہیں جو قوموں میں پہلی قوم کے مشہور ہیں، جن کنے اسرائیل کے گھرانے آئے ہیں۔ تم کلنہ کو پارا تر کر کے نظر کرو۔ اور وہاں سے بڑے حمات کو روانہ ہو۔ تب فلستیون کی جنت کو اتر جاؤ۔ کیا وے ان ملکوں سے بھلے ہیں اور ان کی سرحد تمھاری حد سے زیادہ ہے۔ اے لوگو جو تم اپنے سے روز مصیبت کو دور جانتے ہو اور ظلم کی حد کو اپنے پاس کھینچ لیتے ہیں۔ وے جو فیل دندانی پلنگ پر سوتے ہیں اور اپنی چارپائیوں پر پاؤں پھیلاتے ہیں اور گلّے میں کے بڑوں کو اور تھان میں سے بچھڑوں کو کھاتے ہیں اور رباب کی آواز کے ساتھ گاتے ہیں اور داؤد کی طرح موسیقی کے سازوں کو اپنے لیے ایجاد کرتے ہیں اور پیالوں میں وہن پیتے ہیں اور اپنے بدن پر خاص عطر ملتے ہیں لیکن یوسف کے خلل کے لیے غم نہیں کھاتے[۱۱]۔

طویل تر فقروں کے بنانے کا یہ انداز دیکھیے:

(یسعیاہ کے باب میں) انیسواں باب:

مصر کا منشا دیکھو، خداوند ایک تنک رُو ابر پر سوار ہو کر مصر میں آوے گا اور مصر کے بت اسکے حضور سے لرزاں ہو جائیں گے اور مصریوں کے دل ان کے اندر گداز ہوویں گے اور میں مصریوں کو آپس میں مخالف کر دوں گا اور ان میں سے ہر ایک اپنے بھائی سے اور ہر ایک اپنے ہمسائے سے لڑے گا، شہر شہر سے اور سلطنت سلطنت سے اور مصر کی جان اس کے بیچ میں خشک ہو جائے گی اور میں ان کے منصوبے کو فنا کر دوں گا اور وے بتوں اور افسوں گروں اور بیرون اور جادوگروں کی تلاش کریں گے اور میں مصریوں کو ایک ستم گر حاکم کے قابو میں کر دوں گا اور خداوند

رب الافواج فرماتا ہے کہ ایک قیدی بادشاہ ان پر سلطنت کرے گا[۱۲]۔

یہ اقتباس اصل میں ایک ہی طویل تر فقرہ ہے جس میں ذیلی طویل اور مختصر فقرے موجود ہیں مگر سبھی اپنی اپنی جگہ مکمل مفہوم بھی رکھتے ہیں۔ ایک پیراگراف پر مشتمل فقرے کے اجزا کو حرف عطف 'اور' سے جوڑا گیا ہے۔ قابلِ ذکر نکتہ یہ ہے کہ لفظیات کا عمومی چناؤ بھی سادگی کی طرف مائل ہے۔

۱۸۴۵ء میں پادری رانکین نے عباس علی بن ناصر علی کی کتاب خلاصته صولته الضیغم کے جواب میں دافع البہتان تصنیف کی۔ یہ کتاب الٰہ آباد مشن پریس سے شائع ہوئی۔ ان دونوں کتابوں کا تعلق اس دور میں شد و مد سے جاری اسلام اور عیسائیت کے مناظرانہ ادب سے ہے۔ پادری صاحب دافع البہتان کی وجۂ تصنیف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> حال ہی میں ایک کتاب زبانِ اردو کی، چھاپی ہوئی لکھنؤ کے چھاپے خانے کی، اس مصنف کو ملی کہ منشا اس کا سوائے تحقیر مذہبِ عیسوی کے کچھ اور نہ تھا اور لکھنے والا اس کا آپ کو مصنف خلاصته صولته الضیغم بیان کرتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ یہ خلاصہ اس کا اس لیے چھپوایا کہ اس کا ہاتھ آنا ہر ایک کو بہ سبب کثرت کے مشکل تھا۔ حاصل کلام یہ کہ اس خلاصہ کا جواب میں لکھتا ہوں۔ خدائے برتر مہربان اپنی روح القدس کو نازل کرے کہ ہم اور پڑھنے والے اس کے، دل کی سچائی سے مطالعہ کر کے راہ راست کو اختیار کریں۔۔۔[۱۳]

اس نوعیت کے اقتباسات پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ مصنف کو یا تو کسی ہندوستانی اردو دان کی معاونت حاصل رہی ہے یا اپنے مشن کے لیے واقعتاً انھوں نے اردو کی تعلیم خوب حاصل کی ہو گی کیوں کہ جس طرح وہ امثال، تشبیہوں اور تمثیل کے ذریعے اپنا مدعا بیان کرتے جاتے ہیں اس دور کا کوئی نو وارد انگریز نہیں کر سکتا تھا۔ یہ اقتباس دیکھیے:

> مدّعی اس ہی صفحے پر لکھتا ہے کہ توریت بھی چار ہیں: ایک قراسیوں کے پاس، ایک ربانیوں کے پاس، ایک سامریوں کے پاس، ایک نصرانیوں کے پاس۔ جواب یہ کہ مصنف اس رسالہ کا اپنے کہنے کو ثابت نہ کر کے ایک دلیل صحیح بھی نہیں لاتا۔ کیوں کہ یہ کتابیں بموجب اس کے کہنے کے موجود و مشہور نہیں ہیں۔ اور وہ توریت کہ جو ربانیوں اور نصرانیوں کے پاس ہے، وہ ایک ہے۔ یعنی وہی جو حضرت موسیٰ کے وقت سے آج تک ہے، بنی اسرائیل کے ہاتھ میں ہے، جس کو انھوں نے اپنی آنکھ کی پتلی کی طرح بفضلِ الٰہی محفوظ رکھا۔ ہاں شکر خدا تعالیٰ کا کہ وہی کتابِ اقدس گویا آفتابِ الٰہی کی مانند اپنے وقتِ ظہور سے اس دم تک بے تحریف و تبدیل چمک رہا ہے اور روزِ حشر تک غروب نہ ہو گا[۱۴]۔

۱۸۴۷ء میں سکندرہ آرفن پریس، آگرہ سے پادری ٹی ہورنل (Christian Theophilus Hoernlé۔ ۱۸۰۴ء۔ ۱۸۸۲ء) کی ایک کتاب مقدس کتاب کا احوال کے نام سے شائع ہوئی۔ یہ بھی بائبل کا ہی ایک ترجمہ ہے جو ڈاکٹر بارتھ (Christian Gottlob Barth۔۱۷۹۹ء۔ ۱۸۶۲ء) کے جرمن ایڈیشن سے اردو میں منتقل کیا گیا۔ اس کے دو حصے ہیں: پہلے حصے میں پرانے وثیقے اور دوسرے حصے میں نئے وثیقے کا ترجمہ شامل کیا گیا ہے۔ اس ترجمے میں رواں اور سادہ و سلیس اردو نثر کا سہارا

لیا گیا ہے۔لفظوں کے چناؤ میں کسی خاص رجحان کا پتہ نہیں ملتا۔ یہ ضرور ہے کہ جملوں کی ساخت پہ انگریزی کا اثر نہیں ہے۔ کہیں کہیں طویل جملے ملتے ہیں ۔بعض اوقات ایک طویل فقرے کو پیچیدگی اور اغلاق سے بچانے کے لیے چار پانچ حصوں میں تقسیم کر کے حرف عطف 'اور' سے جوڑا گیا ہے۔ یہ اس دور کے مزاج کے تناظر میں ترقی پسندی کا ثبوت ہے۔سادہ مگر دل چسپی کا عنصر قائم رکھنے والی نثر کا ایک اقتباس دیکھیے:

> اڑتالیسواں باب: لیتیہ اور قید خانے کے داروغہ کا بیان
>
> اعمال کا ۱۶ باب: پولوس نے تروا نام روم کے ایک شہر میں رات کو یہ رُویا دیکھا کہ ایک مکدونی آدمی اس کی منت کر کے کہتا ہے کہ پار اتر اور مکدونیہ میں آ کر ہماری مدد کر۔ سو پولوس روانہ ہو کے فیلپی میں آیا اور سبت کے دن شہر کے باہر اس ندی کے کنارے گیا جہاں یہودیوں کا ایک عبادت خانہ تھا اور ان عورتوں سے، جو اکٹھی تھیں، باتیں کرنے لگا۔ ان میں سے لیتیہ نام تیاترہ شہر کی ایک خدا پرست عورت نے، جو قرمز بیچنے والی تھی، پولوس کی سُنی اور خداوند نے اس کا دل کھولا کہ اس کی باتوں پر دل لگا کے اپنے گھرانے سمیت اصطباغ پایا اور حواریوں کی ضیافت کی[۱۵]۔

اوپر جن منتخب تصانیف کا جائزہ لیا گیا ہے ان میں سادگی اور سلاست کا عنصر مشترک ملتا ہے۔ یہ تصانیف خاص طور پر دینی مقاصد کے لیے تصنیف کی گئیں یا ترجمہ کی گئیں لہٰذا ان کے مصنفین و مترجمین کے نزدیک متعلقہ مباحث کا ابلاغ زیادہ ضروری تھا، اسی باعث ان مؤلفین نے عوام الناس کی ذہنی و علمی قابلیت کو پیش نظر رکھا۔ اس دور میں جو اسالیب نثر پسندیدہ اور مستحسن جانے جاتے تھے، ان سے ہٹ کر ان اسالیب نے اپنی جگہ بنائی۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ ایک طرح سے یہ اسالیب بھی اس عمل میں شریک تھے، جس کے نتیجے میں ۱۸۷۰ء کے بعد کی جدید اردو نثر کی روایت متشکل ہوئی۔ ان تصانیف کے مؤلفین مقامی نہیں تھے اور نہ ہی یہاں کی ثقافت سے زیادہ آشنا تھے مگر انھوں نے اپنے دینی مقاصد کو تکمیل تک پہنچانے کے لیے یہاں کی زبانوں سے شناسائی حاصل کی۔ مبتدی ہونے کے باوجود ان کی تحریروں میں بہت زیادہ سقم نہیں ملتے۔گو کہ انھیں کہیں نہ کہیں مقامی مصنفین کی خدمات کی ضرورت بھی رہتی ہوگی لیکن ان مذہبی تصانیف کے اسالیب کو سادگی اور سلاست سے قریب رکھنے کا فیصلہ ان کا اپنا تھا۔

اس امر میں کوئی دورائے نہیں ہوسکتی کہ ان مؤلفین نے اپنے اپنے عہد میں اور اپنے اپنے علاقوں میں اردو نثر کے فروغ اور ترقی کے لیے ویسی ہی خدمات سرانجام دیں جو اس عہد کے دیگر مقامی مصنفین انجام دے رہے تھے۔ ان مؤلفین کی خدمات مستحسن خیال کی جانی چاہئیں کہ انھوں نے معاصر ادبی روایتوں کے متوازی اپنا ایک الگ طرز قائم کیا اور مستقبل کی اردو نثری روایت کے بنیادگزاروں میں شامل ہوئے۔

حواشی و حوالہ جات

* (پ: ۱۹۸۷ء) اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ ایم۔اے۔او۔ کالج، لاہور۔

۱۔ آگزلری بائبل سوسائٹی، متی کی انجیل (کلکتہ: آگزلری بائبل سوسائٹی، ۱۸۱۹ء)، ۳۸۔

۲۔ ایضاً، ۱۰۵۔

۳۔ آگزلری بائبل سوسائٹی، متی کی انجیل، ۱۲۔

۴۔ انھی مولوی عبدالمجید نے سہ جلدی لب التواریخ کی تالیف میں ایک اور یوروپین لوئس ڈی کاسٹا کا ہاتھ بھی بٹایا تھا۔ لب التواریخ بھی ۱۸۳۰ء میں کلکتہ کے اسی پریس سے شائع ہوئی تھی۔

۵۔ چرچ مشن پریس، صلوٰۃ الجماعت کی کتاب اور سیکریمنٹوں کے دستور اور دوسری رسمیں اور تکلفات کلیسیائی، عمل کلیسیائے انگلینڈ اور آیرلینڈ کے مطابق، عقائدِ دین کے ساتھ (کلکتہ: چرچ مشن پریس، ۱۸۲۸ء)، ۲۹۔

۶۔ ایضاً، ۸۵۔

۷۔ ایضاً، ۲۸۴۔

۸۔ کارل گوٹلیب فانڈر [Karl Gottlieb Pfander]، میزان الحق (آگرہ: سکندرہ آرفن پریس، ۱۸۵۰ء)، ۱۹۔

۹۔ ایضاً، ۲۲۲۔

۱۰۔ ایضاً، ۲۳۳۔

۱۱۔ آگزلری بائبل سوسائٹی، کتاب القدس، (کلکتہ: آگزلری بائبل سوسائٹی، ۱۸۴۳ء)، ج ۲، ۶۸۳-۶۸۴۔

۱۲۔ ایضاً، ۳۱۳۔

۱۳۔ پادری رانکین، دافع البہتان، رسالہ جواب صولتہ الضیغم میں (الٰہ آباد: الٰہ آباد مشن پریس، ۱۸۴۵ء)، ۳۔

۱۴۔ ایضاً، ۵۔

۱۵۔ پادری ہورنل [Christian Theophilus Hoernlé]، مقدس کتاب کا احوال (آگرہ: سکندرہ آرفن پریس، ۱۸۴۷ء)، ۲۶۰۔

مآخذ

آگزلری بائبل سوسائٹی۔ کتاب القدس (جلد ثانی)۔ کلکتہ: آگزلری بائبل سوسائٹی، ۱۸۴۳ء۔

آگزلری بائبل سوسائٹی۔ متی کی انجیل۔ کلکتہ: آگزلری بائبل سوسائٹی، ۱۸۱۹ء۔

چرچ مشن پریس۔ صلوٰۃ الجماعت کی کتاب اور سیکریمنٹوں کے دستور اور دوسری رسمیں اور تکلفات کلیسیائی، عمل کلیسیائے انگلینڈ اور ایرلینڈ کے مطابق، عقائدِ دین کے ساتھ۔ کلکتہ: چرچ مشن پریس، ۱۸۲۸ء۔

رانکین، ریورنڈ۔ دافع البہتان، رسالہ جواب صولتہ الضیغم میں۔ الٰہ آباد: الٰہ آباد مشن پریس، ۱۸۴۵ء۔

فانڈر، کارل گوٹلیب [Pfander, Karl Gottlieb]۔ میزان الحق۔ آگرہ: سکندرہ آرفن پریس، ۱۸۵۰ء۔

ہورنل، ریورنڈ [Hoernlé, Christian Theophilus]۔ مقدس کتاب کا احوال۔ آگرہ: سکندرہ آرفن پریس، ۱۸۴۷ء۔